جامعات اور مقابلے کے امتحانات کے لیے تجویز کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ محنت سورتی صاحب کی کتاب کی جگہ لے سکے گی یا نہیں؟ اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں عربی زبان کا تہذیبی پس منظر، عربوں کے علوم، مجالس ادب و اسواق، شعرا کے طبقات وغیرہ کا ذکر ہے۔ باب دوم میں عربی ادب منظوم، قصص شاعری اور راویانِ شعر کا ذکر ہے۔ باب سوم میں جاہلی شاعری، سبع معلقات کے شعرا کے حالات اور نمونۂ کلام ہے۔ باب چہارم میں بعثتِ نبویؐ کے اثرات، آپؐ کی فصاحت و بلاغت، خلفاے راشدینؓ کی فصاحت و بلاغت اور ان کے خطبات کا تذکرہ ہے۔ باب پنجم میں دورِ اُموی میں اسلامی علوم کے ارتقا اور اُموی شعرا و خطبا کا تذکرہ ہے۔ چھٹا باب عصر عباسی کے ساتھ مخصوص ہے، جس میں مصنف نے عباسی شعرا کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اس میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، احمد امین اور اندلس کے ادبا کو بھی شامل کر دیا ہے۔ یہ جدت قدیم تواریخ ادب عربی میں نہیں ملتی۔

ساتواں باب کتاب کا آخری باب ہے جس میں عصرِ جدید کی عربی نثر و نظم سے بحث ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس دور کا اختتام حافظ و شوقی پر کر دیتے ہیں حالانکہ ادب المھجر ایک قابلِ ذکر عنوان ہے جس میں وہ شعرا شامل ہیں جو الرابطة القلمية (Pen League) کے ممبر تھے۔ کتاب کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے خلیل مطران کا مختصر ذکر کیا ہے، مگر میخائل نعیمہ، نسیب عریضہ اور خلیل جبران کے تذکرے سے کتاب خالی ہے۔ یہ شعرا شام، لبنان سے ہجرت کر کے بوسٹن جا کر آباد ہوئے اور الرابطة القلمية کے تحت وہ ادب تخلیق کیا جس سے ایک دنیا متاثر ہوئی۔ اس وقت بھی خلیل جبران مغرب میں اپنی تخلیقات کے تراجم کے حوالے سے ایک جانا پہچانا نام ہے۔

یہ سوال بھی اہم ہے کہ ہم تاریخ ادب عربی کے تذکرے کا آغاز امرؤ القیس سے کرتے ہیں جس کی فحش گوئی اور عریاں نگاری کی وجہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قائدھم الی النار، جہنّم کی طرف ان (شعرا) کا سردار کا لقب دیا۔ لیکن عربی ادب کے نوبل انعام یافتہ نجیب محفوظ کا ذکر نہیں کرتے اگرچہ تنقیدی نقطۂ نظر ہی سے کیوں نہ ہو۔ یاد رہے ایک زمانے میں خورشید رضوی (جامعہ پنجاب) نے نجیب محفوظ پر تفصیلی مضمون لکھا تھا جو مجلّہ فکر و نظر میں چھپا تھا۔ ان سب تحفظات کے باوجود راقم محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوة العلما لکھنؤ کی اس راے